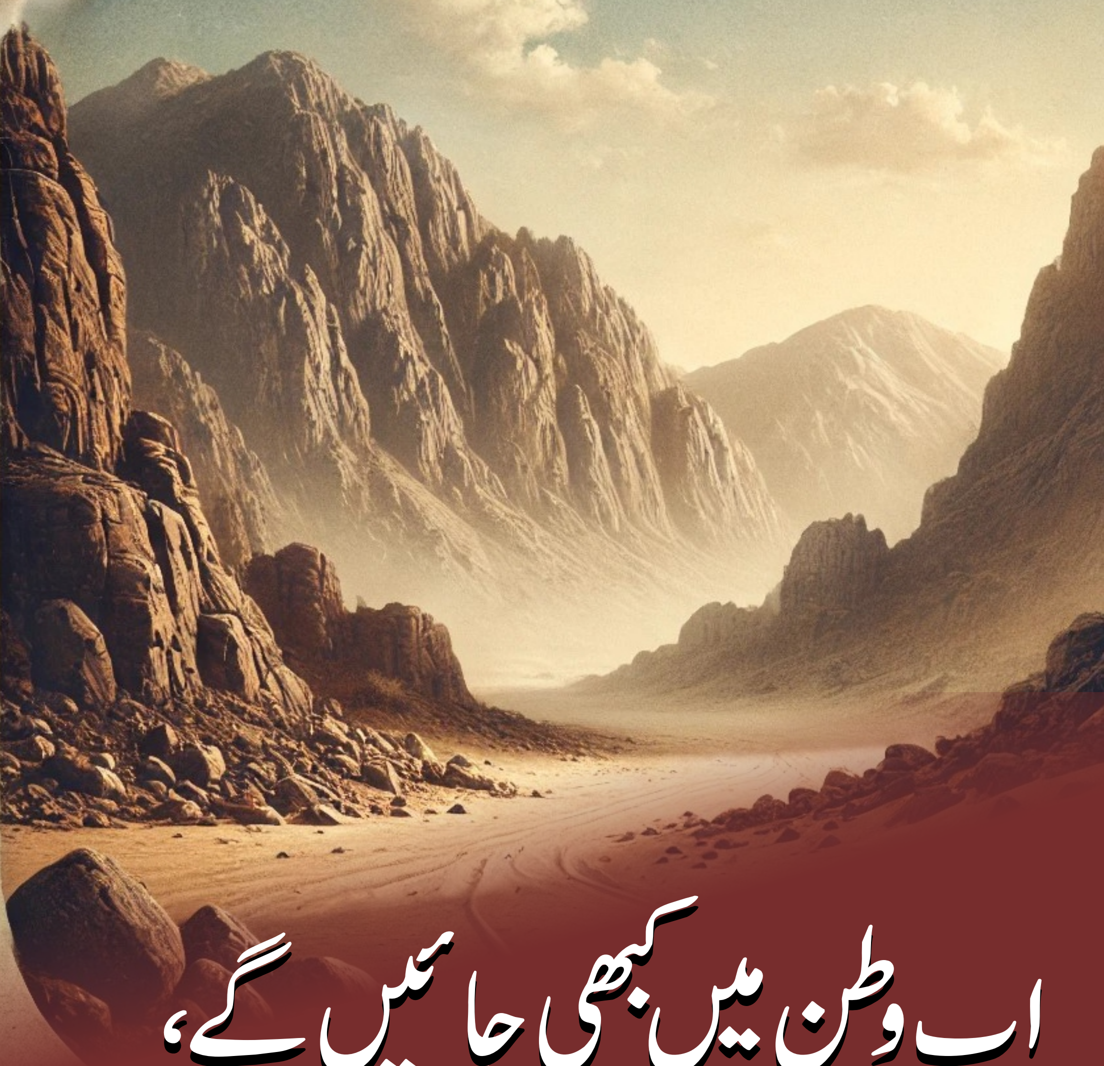

اب وِطن میں کبھی جائیں گے،
تو مہماں ہوں گے۔۔۔

فاروق خان مہائمی مصباحی

مولیٰ علی ریسرچ سینٹر
MAULA ALI RESEARCH CENTRE
MINARA MASJID, MUMBAI

۲۰۱۶ء کا سال تھا۔

ہم جامعہ اشرفیہ کے شعبۂ تخصص میں پڑھ رہے تھے۔

۳؍مئی کو چھٹی ہونے والی تھی۔

۲؍نومبر ۲۰۰۶ء سے طالبِ علمی کا جو سفر شروع ہوا تھا،

وہ،

۳؍مئی ۲۰۱۶ء کو ختم ہونے والا تھا،

اِس دس سالہ بادشاہانہ زندگی میں، ہم نے خوب بادشاہی کی تھی۔

کئی خوش گوار لمحات آئے،

کچھ تلخ تجربات بھی ہوئے،

بھائی جیسے دوستوں کے ساتھ رہے،

باپ جیسے اساتذہ سے پڑھے،

جس قدر بے چینی اور گھبراہٹ مدرسے کے پہلے دن ہوئی تھی،

اُس سے کہیں زیادہ بے چینی اور گھبراہٹ اُس وقت ہو رہی تھی،

جیسے جیسے ۳؍مئی قریب آ رہا تھا،

حسنِ اتفاق کہ "تخصص فی الافتاء" والوں کا آخری پیپر،

۳۰؍اپریل کو ہی ختم ہو رہا تھا۔

۳۰؍اپریل کے بعد مجھے موقع مل گیا تھا،

میں اکیلا ہی ہر اُس جگہ جاتا،

جہاں میں پچھلے چھ سالوں میں جایا کرتا تھا۔

اور اُن سبھی جگہوں کو حسرت بھری نگاہ سے دیکھا کرتا تھا۔

کبھی کبھی ساتھ میں سلیم ہوتا۔

کبھی سید مرتضیٰ صاحب ہوتے۔

اُنھیں میرے جذبات کا احساس نہ تھا؛

کیوں کہ وہ ابھی کچھ سال جامعہ اشرفیہ میں اور رہنے والے تھے؛

مگر میں آنسوؤں کے گھونٹ پیتا رہتا۔

اُن تین دنوں میں،

مَیں بس یہی کرتا رہا۔

جامعہ کی آخری رات جب اساتذہ سے ملنے گیا،

جس جس استاد سے ملا،

پھوٹ پھوٹ کر رویا۔

آنسوؤں پر کنٹرول نہ تھا،

دل خود بخود پگھلا جا رہا تھا۔

راستے میں ماسٹر صاحب ملے،

گلے سے لگایا،

میں اُن کے کندھے پر سر رکھ کر روتا رہا۔

وہ کہتے جاتے:

”ارے بیٹا تم تو اچھے بچے تھے،

تم تو پڑھنے والے تھے۔“

میں روتا رہا۔

آہ!!!

وہ کتنا دردناک لمحہ تھا!!!

روم نمبر:۱۸ کے ہم سات آٹھ طلبہ،

جب گیٹ سے نکلے تھے،

پلٹ پلٹ کر،

جامعہ کے در و دیوار دیکھتے تھے،

پھر آٹو رکشہ میں بیٹھ کر،

اعظم گڑھ کے لیے روانہ ہوئے تھے،

کچھ دائیں طرف سے،

کچھ بائیں طرف سے،

نظریں اُچکا اُچکا کر،

اور بیچ والے اُن کے ہاتھوں کے نیچے سے،

گردنیں نکال نکال کر،

جامعہ کا گنبد دیکھتے رہے۔

آہ!!!

پھر وہ وقت بھی آیا کہ گنبد دِکھائی دینا بند ہو گیا۔

سب غمگین تھے۔

کچھ کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر تھیں۔

مانو! پہلی مرتبہ، دولھن سسرال جا رہی ہو۔

اعظم گڑھ تک کسی نے بات ہی نہیں کی۔

سب اِسی غم میں تھے کہ

پتہ نہیں اِس چمن میں پھر کب آنا نصیب ہو؟

پھر کب، ہم اپنے دوستوں سے؟

اپنے اساتذہ سے مل پائیں؟

پھر کب روضۂ حافظِ ملت رحمۃ اللہ علیہ کا دیدار کر پائیں؟

میرا سب سے قریبی دوست شمشیر، گجرات کا رہنے والا تھا۔

ہم نے ٹکٹ اِس طرح بنوائی تھی کہ

بُھساول تک ہم ساتھ سفر کریں۔

بُھساول بعد،

وہ اپنے راستے،

میں اپنے۔

ٹرین میں ماضی کی باتیں یاد کرتے رہے۔

کبھی ہنستے،

تو کبھی روتے رہے۔

اگلے دن بُھساول بھی آ گیا۔

بُھساول سے شمشیر اُسی ٹرین میں بیٹھ کر سورت جانے والا تھا۔

اور مجھے ٹرین بدل کرا یل۔ٹی-ٹی۔

وہ دن آج بھی یاد آتا ہے تو تعجب ہوتا ہے۔

شمشیر مجھے چھوڑنے کے لیے پلیٹ فارم پر اُترا تھا،

ٹرین چھوٹنے میں ابھی سات آٹھ منٹ باقی تھے۔

ہم آنسوؤں پر کنٹرول کیے،

بھرائی ہوئی آواز میں بات کرتے رہے۔

پھر

ٹرین کا سگنل گرین ہوا،

ہارن بجا،

آخری مرتبہ معانقہ کیے،

اور

وہ ٹرین کی طرف،

میں دوسرے پلیٹ فارم کی طرف،
روانہ ہو گئے۔
اب جو جدا ہوئے تو آنسوؤں پر کنٹرول کھو گیا،
میں رونے لگا،
پھوٹ پھوٹ کر،
پھر پلٹ کر شمشیر کو دیکھا،
وہ بھی آنسو پوچھتا ہوا،
اپنی بوگی کے قریب پہنچ چکا تھا۔
میں پھر رونے لگا،
کچھ دیر بعد ٹرین آئی،
آگے کا سفر اکیلے کرنا تھا،
اکیلے جب بھی سفر کرتا ہوں،
تو کوئی اچھی کتاب،
یا کچھ خاطرے،
پڑھ لکھ لیتا ہوں۔
مگر اس وقت کچھ دل ہی نہیں کر رہا تھا۔
اوپر والی سیٹ پر جا کر سوچتے سوچتے سو گیا۔

گھر پہنچا تو والدہ دیکھ کر سمجھ گئیں۔

ہر بار کی طرح چہرہ کھلا ہوا نہیں ہے۔

مرجھایا مرجھایا سا ہے۔

شاید رو کر آ رہا ہے۔

سمجھ گئیں کہ

اِس مرتبہ ہم سے ملنے کی خوشی پر،

اشرفیہ چھوڑنے کا غم غالب ہے۔

مجھے اب بھی یاد ہے:

تین دن تک گھر ماتم کدہ بنا تھا،

مجھے اپنا خیال تک نہ تھا،

کھویا کھویا،

رویا رویا،

کہیں بھی پڑا رہتا۔

جو مجھے دیکھتا، وہ خود غمگین ہو جاتا۔

بہنیں مریض کی زیارت کرنے آئی تھیں،

امی، بیوی اور بہنوں کی آواز کانوں سے ٹکراتی:

"اپنا گھر چھوڑنا بہت بھاری پڑتا ہے،

جیسے ہمارا میکہ چھوٹا،

ویسے ہی فاروق کا مدرسہ چھوٹ گیا۔"

آج بھی،

جب بھی اُن لمحات کو محسوس کرتا ہوں،

ذہن و دماغ میں حسرتیں اٹھتی ہیں۔

مگر پھر سوچتا ہوں:

"میں نے وہاں صرف چھے سال گزارے تھے،

جب کہ

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ میں ۵۳ سال۔

میری جوانی کا کچھ حصہ وہاں گزرا تھا،

جب کہ

آقا کریم کا بچپن، جوانی اور اس کے آگے کا زمانہ۔

میں تو واپس اپنوں میں آ رہا تھا،

جب کہ

پیارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ماں کی یادیں،

دادا کی شفقتیں،

چاچا کا لاڈ اور پیار،

بیوی کی تسلیاں،

رب کا گھر،

سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر،

انجان لوگوں میں جارہے تھے۔

میرے تو یہاں ماں باپ، بھائی بہن، دوست احباب سب تھے۔

جب کہ

مدینہ میں، سب انجان ہی انجان۔

کوئی اندازہ ہی نہیں کر سکتا کہ حضور پر کیا بیتی ہوگی۔"

روایتوں میں آیا ہے:

ہجرت کی شب،

کچھ دور تک،

پیارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم،

پلٹ پلٹ کر خانۂ کعبہ کو دیکھتے جاتے۔

مقامِ حَزْوَرہ پر پہنچ کر،

جب آخری مرتبہ کعبہ کو دیکھا ہوگا،

اُن کا بھی دل تڑپا ہوگا،

اُن کی بھی آنکھیں بھیگی ہوں گی،

تبھی تو مکہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

” مَا اَطيَبَكِ مِنْ بَلَدٍ وَ اَحَبَّكِ اِلَيَّ ،
وَلَوْلَا اَنَّ قَوْمِيْ اَخْرَجُوْنِيْ مِنْكِ مَا سَكَنْتُ غَيْرَكِ“

(رَوَاهُ التِّرْمِذِي فِيْ صَحِيْحِهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، والرقم: ٣٩٢٦)

”مکہ!

تو کتنا اچھا شہر ہے،

تو میرا پسندیدہ شہر ہے۔

اگر میری قوم مجھے نہ نکالتی،

تو تیرے علاوہ میں کہیں اور نہ رہتا۔“

انجان جگہ،

انجان شہر،

انجان لوگ،

گرچہ سب مخلص تھے۔

اور حضور سے محبت کی سب نے مثال قائم کی تھی؟

مگر شروع شروع وہاں دل کا نہ لگنا ایک فطری بات تھی۔

پیارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے،

کس طرح خود کو سنبھالا ہوگا!!!

نہ لگتے دل کو کس طرح منایا ہوگا!!!

جب رب سے یہ دعا مانگی ہوگی:

” اَللّٰهُمَّ حَبِّبْ اِلَيْنَا الْـمَدِيْنَةَ ،
كَمَا حَبَّبْتَ اِلَيْنَا مَكَّةَ وَاَشَدَّ .“

(رَوَاهُ اَحْمَدْ بْنِ حَنْبَلَ فِيْ مُسْنَدِهِ ، عَنْ عَائِشَةَ، والرقم: ۲۳۸۰۳)

” میرے مولا!
جیسا میرا لگاو مکہ سے تھا،
ویسے ہی میرا دل مدینہ سے بھی لگا دے،
بلکہ مدینہ کی محبت اور زیادہ کر دے۔“

مولا علی ریسرچ سینٹر کی دیگر کتابیں

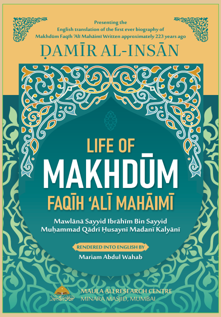

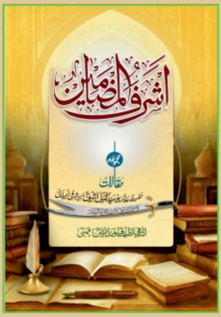

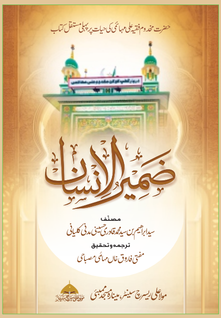

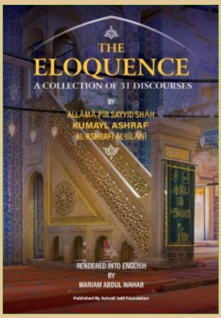

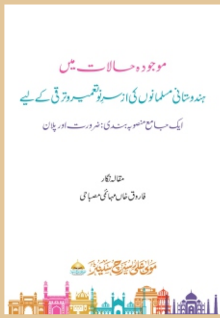

مولیٰ علی ریسرچ سینٹر

MAULA ALI RESEARCH CENTRE
MINARA MASJID, MUMBAI